زمانہ ساز شخصیت، ہمہ جہتی مطالعہ اور علمی و تحقیقی تقاضوں کا جائزہ

ڈاکٹر نگہت سیما کی کتاب «علامہ راشد الخیری: حیات، خدمات اور عصری معنویت» پر ایک تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ

تبصرہ: ڈاکٹر فرحان صدیقی

اردو کی علمی و ادبی روایت میں بعض شخصیات ایسی ہیں جن کا دائرہ اثر کسی ایک صنف، موضوع یا عہد تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ پوری تہذیبی فضا کو متاثر کرتی ہیں۔ علامہ راشد الخیری ایسی ہی ہمہ جہت شخصیت ہیں جنہوں نے ناول، افسانہ، ڈرامہ، صحافت، خاکہ نگاری اور خواتین کی اصلاح کے میدان میں بیک وقت کام کیا۔ ڈاکٹر نگہت سیما کی زیرِ تبصرہ کتاب «علامہ راشد الخیری: حیات، خدمات اور عصری معنویت» اسی کثیر الجہتی شخصیت کو سمجھنے کی ایک سنجیدہ کوشش ہے۔ یہ کتاب محض سوانح نہیں بلکہ ایک تجزیاتی مطالعہ ہے جو راشد الخیری کے فکر و فن کو اس کے تاریخی پس منظر میں دیکھتا ہے۔

مصنفہ نے کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں راشد الخیری کے خاندانی پس منظر، ابتدائی تعلیم اور دہلی کے ادبی ماحول کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ حصہ خاص طور پر اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہاں ہمیں وہ سماجی اور تہذیبی عوامل دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے بعد میں ان کی تحریروں کو شکل دی۔ مصنفہ نے بجا طور پر لکھا ہے کہ راشد الخیری کو سمجھنے کے لیے پہلے اس عہد کی عورت کو سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ ان کی بیشتر تخلیقات کا مرکز و محور یہی عورت ہے۔

دوسرے باب میں راشد الخیری کی ناول نگاری کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مصنفہ نے ان کے ناولوں کو موضوع، کردار نگاری اور اسلوب کے لحاظ سے الگ الگ زاویوں سے پرکھا ہے۔ یہ حصہ نسبتاً روایتی انداز کا ہے، تاہم اس میں کئی ایسے نکات سامنے آتے ہیں جو راشد الخیری کے ناول کو محض اصلاحی تحریر سے بڑھ کر ایک سماجی دستاویز بنا دیتے ہیں۔ تیسرے باب میں ان کے افسانوں اور خاکوں پر گفتگو کی گئی ہے، جو اس کتاب کا نسبتاً کمزور حصہ محسوس ہوتا ہے۔ یہاں تجزیہ کم اور بیانیہ زیادہ ہے، اور بعض جگہوں پر ایسا لگتا ہے جیسے مواد کو جلد از جلد سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہو۔

چوتھا باب کتاب کا سب سے اہم اور فکری لحاظ سے بھرپور حصہ ہے۔ اس میں راشد الخیری کی صحافتی خدمات، خصوصاً رسالہ «عصمت» کی ادارت، کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ مصنفہ نے یہ دکھایا ہے کہ کس طرح راشد الخیری نے ایک ہی وقت میں روایت اور اصلاح کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کی۔ یہ باب تحقیقی اعتبار سے بھی قابلِ قدر ہے، کیونکہ اس میں کئی ایسے حوالے سامنے آتے ہیں جو عام قارئین کے لیے نئے ہو سکتے ہیں۔

پانچویں باب میں راشد الخیری کے ڈرامے اور خاکہ نگاری پر بحث کی گئی ہے۔ یہ حصہ نسبتاً کمزور ہے، کیونکہ یہاں تجزیے کی گہرائی کم اور تعارف زیادہ ہے۔ ڈرامے کے فنی پہلوؤں پر مزید توجہ کی ضرورت تھی۔ آخری باب میں راشد الخیری کی معنویت کو آج کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اور یہ حصہ کتاب کا سب سے متوازن باب کہا جا سکتا ہے۔ یہاں مصنفہ نے راشد الخیری کی خواتین کرداروں کو موجودہ سماجی مسائل سے جوڑ کر دیکھا ہے، جو ایک اچھا تنقیدی رویہ ہے۔

زبان و اسلوب کے لحاظ سے کتاب عمومی طور پر رواں اور سلیس ہے، تاہم کہیں کہیں جملے طویل ہو گئے ہیں اور قاری کو بار بار رکنا پڑتا ہے۔ بعض جگہوں پر ایک ہی بات کو مختلف الفاظ میں دہرایا گیا ہے، جس سے تکرار کا احساس ہوتا ہے۔ اگر مصنفہ ان طویل جملوں کو دو یا تین حصوں میں تقسیم کر دیتیں تو اسلوب زیادہ چست اور مؤثر ہو جاتا۔ اسی طرح بعض جگہوں پر املا کی معمولی غلطیاں بھی نظر سے گزریں، جو اگرچہ بڑی نہیں مگر قاری کی توجہ کو بار بار متاثر کرتی ہیں۔

مجموعی طور پر یہ کتاب راشد الخیری پر کام کرنے والوں کے لیے ایک اہم حوالہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس میں کئی ایسے گوشے سامنے آتے ہیں جو پہلے کم توجہ حاصل کر سکے تھے۔ تاہم اسے ایک حتمی مطالعہ کہنا مشکل ہے۔ مزید تحقیق کی گنجائش اب بھی موجود ہے، خاص طور پر راشد الخیری کے ہم عصر خواتین قلم کاروں کے ساتھ ان کے تقابلی مطالعے کی ضرورت ہے۔ اس کے باوجود یہ کتاب اردو تنقید میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے اور راشد الخیری کو سمجھنے کی نئی راہیں کھولتی ہے۔

(صفحہ ۱ کا بقیہ)

ہمارے ہاں ایسے ادارے بہت کم ہیں جو اس طرح کی تحقیق کو سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کتاب صرف ایک مطالعہ نہیں بلکہ ایک مثال بھی ہے کہ اگر وسائل اور ارادہ ہو تو ہم اپنے ماضی کو کس طرح زندہ کر سکتے ہیں۔

کتاب کی طباعت عمدہ ہے اور صفحات کی ترتیب قاری کے لیے آسان ہے۔ تاہم کچھ مقامات پر حاشیے اور متن کے درمیان فاصلہ کم ہے، جس سے صفحہ کچھ بھرا بھرا سا لگتا ہے۔ اگر اس پر توجہ دی جاتی تو مطالعہ مزید خوشگوار ہو جاتا۔ مجموعی طور پر یہ کتاب ایک سنجیدہ، محنتی اور بامقصد کوشش ہے جو راشد الخیری کے قارئین کے ساتھ ساتھ ان طلبہ کے لیے بھی مفید ہے جو اس عہد کی تاریخ اور تہذیب کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

(صفحہ ۱۰ کا بقیہ)

ہوئے ہیں۔ ان کے مطابق ۲۰۲۵ء میں ۱۲ ہزار ۴۰۰ سے زائد ایسے واقعات رپورٹ ہوئے جن میں خواتین کو ہراساں کیا گیا، جبکہ ۲۰۲۴ء میں یہ تعداد ۹ ہزار ۱۵۰ تھی۔ یعنی صرف ایک سال میں اس جرم میں ۳۳ فیصد اضافہ ہوا۔ ان واقعات میں سے 70 فیصد سے زائد کیسز میں متاثرہ خاتون کا تعلق کام کی جگہ سے تھا۔ یہ اعداد و شمار اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہراسانی کوئی انفرادی مسئلہ نہیں بلکہ ایک منظم رویہ بن چکا ہے۔

ڈاکٹر فرحانہ نے کہا کہ ہراسانی کے خلاف قانون موجود ہونے کے باوجود اس پر عمل درآمد کمزور ہے۔ ’’ہر ادارے میں محتسب کا دفتر قائم ہے، مگر وہاں تک پہنچنے کا راستہ اتنا پیچیدہ ہے کہ متاثرہ خاتون خود کو مزید تنہا محسوس کرتی ہے۔ ہمیں ایسا نظام چاہیے جو خاتون کے پاس جائے، نہ کہ اسے ہر دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور کرے۔‘‘ انہوں نے تجویز دی کہ ہر ضلع میں خواتین کی ہیلپ لائن قائم کی جائے اور ہر ادارے کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنی سالانہ رپورٹ میں ہراسانی کے کیسز کی تعداد ظاہر کرے۔

ڈاکٹر فرحانہ نے کہا کہ ہراسانی کے خلاف قانون موجود ہونے کے باوجود اس پر عمل درآمد کمزور ہے۔ ’’ہر ادارے میں محتسب کا دفتر قائم ہے، مگر وہاں تک پہنچنے کا راستہ اتنا پیچیدہ ہے کہ متاثرہ خاتون خود کو مزید تنہا محسوس کرتی ہے۔ ہمیں ایسا نظام چاہیے جو خاتون کے پاس جائے، نہ کہ اسے ہر دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور کرے۔‘‘ انہوں نے تجویز دی کہ ہر ضلع میں خواتین کی ہیلپ لائن قائم کی جائے اور ہر ادارے کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنی سالانہ رپورٹ میں ہراسانی کے کیسز کی تعداد ظاہر کرے۔

(صفحہ ۱۰ کا بقیہ)

ہوئے ہیں۔ ان کے مطابق ۲۰۲۵ء میں ۱۲ ہزار ۴۰۰ سے زائد ایسے واقعات رپورٹ ہوئے جن میں خواتین کو ہراساں کیا گیا، جبکہ ۲۰۲۴ء میں یہ تعداد ۹ ہزار ۱۵۰ تھی۔ یعنی صرف ایک سال میں اس جرم میں ۳۳ فیصد اضافہ ہوا۔ ان واقعات میں سے 70 فیصد سے زائد کیسز میں متاثرہ خاتون کا تعلق کام کی جگہ سے تھا۔ یہ اعداد و شمار اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہراسانی کوئی انفرادی مسئلہ نہیں بلکہ ایک منظم رویہ بن چکا ہے۔

ڈاکٹر فرحانہ نے کہا کہ ہراسانی کے خلاف قانون موجود ہونے کے باوجود اس پر عمل درآمد کمزور ہے۔ ’’ہر ادارے میں محتسب کا دفتر قائم ہے، مگر وہاں تک پہنچنے کا راستہ اتنا پیچیدہ ہے کہ متاثرہ خاتون خود کو مزید تنہا محسوس کرتی ہے۔ ہمیں ایسا نظام چاہیے جو خاتون کے پاس جائے، نہ کہ اسے ہر دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور کرے۔‘‘ انہوں نے تجویز دی کہ ہر ضلع میں خواتین کی ہیلپ لائن قائم کی جائے اور ہر ادارے کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنی سالانہ رپورٹ میں ہراسانی کے کیسز کی تعداد ظاہر کرے۔

(صفحہ ۱۰ کا بقیہ)

ہوئے ہیں۔ ان کے مطابق ۲۰۲۵ء میں ۱۲ ہزار ۴۰۰ سے زائد ایسے واقعات رپورٹ ہوئے جن میں خواتین کو ہراساں کیا گیا، جبکہ ۲۰۲۴ء میں یہ تعداد ۹ ہزار ۱۵۰ تھی۔ یعنی صرف ایک سال میں اس جرم میں ۳۳ فیصد اضافہ ہوا۔ ان واقعات میں سے 70 فیصد سے زائد کیسز میں متاثرہ خاتون کا تعلق کام کی جگہ سے تھا۔ یہ اعداد و شمار اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہراسانی کوئی انفرادی مسئلہ نہیں بلکہ ایک منظم رویہ بن چکا ہے۔

ڈاکٹر فرحانہ نے کہا کہ ہراسانی کے خلاف قانون موجود ہونے کے باوجود اس پر عمل درآمد کمزور ہے۔ ’’ہر ادارے میں محتسب کا دفتر قائم ہے، مگر وہاں تک پہنچنے کا راستہ اتنا پیچیدہ ہے کہ متاثرہ خاتون خود کو مزید تنہا محسوس کرتی ہے۔ ہمیں ایسا نظام چاہیے جو خاتون کے پاس جائے، نہ کہ اسے ہر دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور کرے۔‘‘ انہوں نے تجویز دی کہ ہر ضلع میں خواتین کی ہیلپ لائن قائم کی جائے اور ہر ادارے کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنی سالانہ رپورٹ میں ہراسانی کے کیسز کی تعداد ظاہر کرے۔

ISSN: 0991-3532186 | جلد ۱۴ | شمارہ ۵ | ۵۰۰ صفحات | قیمت: ۵۵۰ روپے | ای میل: 5593356@mail.pk | فون: 830028 | صفحہ 4